زمین وآسمان کا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے

(فرمودہ ۲۲ ؍فروری ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں سورہ جمعہ کی پہلی آیت یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ[1] کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مَلِک ہونے کی تسبیح اور قُدُّوْس ہونے کی تسبیح اور عَزِیْز ہونے کی تسبیح اور حَکِیْم ہونے کی تسبیح سے مراد کیا ہے ،کس طرح ان امور میں خدا تعالیٰ کی تسبیح کی جاتی ہے اور اس تسبیح کے ذکر کرنے سے اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ مقصد میں نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے چاہتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی مَلِک بنیں جن کی تسبیح کی جائے ، ایسے ہی قُدُّوْس بنیں جن کی تسبیح کی جائے ، ایسے ہی عَزِیْز بنیں جن کی تسبیح کی جائے اور ایسے ہی حَکِیْم بنیں جن کی تسبیح کی جائے ، اخلاقی طور پر جب تک انسان تسبیح والا مَلِک نہیں بنتا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث نہیں ہوسکتا ، جب تک وہ تسبیح والا قُدُّوْس نہیں بنتا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث نہیں ہوسکتا ، جب تک وہ تسبیح والا عَزِیْز نہیں بنتا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث نہیں ہو سکتا ، جب تک وہ تسبیح والا حَکِیْم نہیں بنتا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے کتنی ضروری یہ بات ہو جاتی ہے کہ ہر مؤمن مَلِک بھی ہو، ہر مؤمن قُدُّوْس بھی ہو، ہر مؤمن عَزِیْز بھی ہو اور ہر مؤمن حَکِیْم بھی ہو۔ کتنا بلند مقام ہے جو ہمارے ربّ نے ہمارے سامنے رکھا ہے لیکن بالعموم لوگوں سے جب ذکر ہو تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں جی ! ہم تو غریب ہیں

کمزور و ناتواں اور مسکین ہیں حالانکہ قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے مؤمن بندے ہو تو تم غریب نہیں بلکہ مَلِک ہو اور مَلِک بھی وہ جس کی تسبیح کی جائے اور اگر تم سچے مؤمن ہو تو تم قُدُّوس ہو اور قُدُّوس بھی وہ جس کی تسبیح کی جائے اسی طرح اگر تم سچے مؤمن ہو تو تم عَزِیز اور حَکِیم ہو اور عَزِیز اور حَکِیم بھی وہ جس کی تسبیح کی جائے۔ ہوسکتا ہے کوئی بادشاہ ہو اور اس کی رعایا اسے بادشاہ نہ مانے جیسے پرانے زمانے میں کئی بادشاہ بھاگے بھاگے پھرتے تھے اور انہیں رعایا میں سے کوئی شخص بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً ہمایوں کے متعلق ہی لکھا ہے کہ وہ بھاگ کر ایران پہنچا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مؤمن خواہ کتنا ہی غریب اور کتنا ہی کمزور نظر آئے، کتنا ہی ضعیف اور کنگال کیوں نہ ہو اگر وہ سچا مؤمن ہے تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مَلِک ہو اور آسمان پر ایک بادشاہ کی حیثیت میں اس کا نام لکھا گیا ہو۔ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم کیونکر یہ تسلیم کریں کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ہماری حیثیت ایک بادشاہ کی سی ہے۔ میں اس کی تشریح کے لئے تمہیں قرآن مجید کی ایک آیت اور ایک حدیث کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ قرآن مجید میں یہ ذکر آتا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مؤمن کو بھی جنت میں جو مقام حاصل ہوگا عَرْضُهَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [2] اس کی قیمت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ رسول کریم ﷺ نے بھی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے مؤمن کو بھی جو جگہ جنت میں ملے گی وہ زمین و آسمان کے برابر ہوگی [3] اگر ایک ضلع کا حاکم ہو کر کوئی شخص بادشاہ کہلا سکتا ہے، اگر ایک ملک کا حاکم ہو کر کوئی شخص بادشاہ کہلا سکتا ہے اور اگر دو یا تین ملکوں کا حاکم ہو کر کوئی شخص بادشاہ کہلا سکتا ہے تو جس کے متعلق خدا تعالیٰ کہے کہ اُسے زمین و آسمان دے دیا جائے گا وہ کیوں بادشاہ نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ کوئی مؤمن اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ بادشاہ نہ بنے۔ پس ہر مؤمن بادشاہ ہے اور پھر ہر مؤمن قُدُّوس بھی ہے اس میں شبہ نہیں کہ انسان خواہ کتنے بڑے بلند مقامات حاصل کرلے اور انتہائی کمالات تک پہنچ جائے، اس کا مقام خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے یہی ہے کہ وہ کہے میں کمزور اور گناہگار رہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کے مقابلہ میں میری قدوسیت کی کچھ حقیقت ہی نہیں۔ لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ مؤمن کو بھی ایسی پاکیزگی ضرور حاصل ہونی چاہیئے کہ دنیا اسے دیکھ کر کہے کہ یہ نیک آدمی ہے اور اس کی بات پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اگر دنیا اس کی بات پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تو معلوم ہوا کہ اس کا ایمان مشتبہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے

احمدیوں میں سے بعض لوگ اپنے علاقوں میں مقہور اور ذلیل سمجھے جاتے ہیں لیکن جب کبھی معاملے کا وقت آتا ہے تو لوگ ان کی گواہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہماری جماعت کا ایک غریب آدمی تھا مجھے معلوم نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس نے بیعت کی تھی یا نہیں مگر حضرت خلیفہ اوّل کے ابتدائی زمانہ میں وہ یہاں آیا کرتا تھا اُس کا نام مغلا تھا اور وہ جھنگ کی طرف کا رہنے والا تھا اس کے رشتہ دار سب چوریاں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت دی اور وہ احمدی ہو گیا۔ بہت مسکین اور غریب احمدی تھا جب بھی وہ یہاں آتا تو بتاتا کہ احمدیت کی وجہ سے اسے لوگ بہت مارتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے بھائی بھی تمہاری مدد نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگا بھائی تو مجھے زیادہ مارتے ہیں۔ پھر اس نے سنایا کہ ہمارے ہاں عام طور پر لوگ جانوروں کی چوری کرتے ہیں۔ یہ مرض جھنگ، گجرات، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ کے اضلاع میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ وہ لوگ جانوروں کی چوری کو کوئی ذلیل کام تصور نہیں کرتے بلکہ ایک قسم کا مقابلہ سمجھتے ہیں اور اگر ایک کے جانور چوری ہو جائیں تو وہ موقع پا کر چوری کرنے والے کے جانور چُرا کر لے آتا ہے۔ چونکہ مغلا کے بھائی وغیرہ بھی چوریاں کیا کرتے تھے اس لئے باوجود غریب ہونے کے چوریوں کی وجہ سے اپنے علاقہ میں بااثر سمجھے جاتے تھے۔ اس نے بتایا کہ جب سے میں احمدی ہوا ہوں، سارا علاقہ مجھے کافر کہتا ہے مگر جب کسی کے ہاں چوری ہوتی ہے تو انہیں میرے بھائیوں پر شُبہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ آتے ہیں تو میرے بھائی قَسمیں کھانے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے چوری نہیں کی قرآن تک اُٹھا لیتے ہیں مگر لوگ ان کی بات پر اعتبار نہیں کرتے اور نہ قَسموں کا یقین کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ مغلا اگر کہہ دے کہ تم نے چوری نہیں کی تو ہم مان جائیں گے اس پر میرے بھائی میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں لے مغلیا! اب ہماری عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تُو یہ کہہ دے کہ انہوں نے چوری نہیں کی تو وہ مان جائیں گے مگر میں کہتا ہوں یہ تو جھوٹ ہوگا میں کس طرح کہوں کہ آپ لوگوں نے چوری نہیں کی جبکہ واقع میں چوری کر کے ان کا مال لائے ہیں۔ کیا میں سچ بولنا چھوڑ دوں؟ اس پر وہ یہ کہتے کہ ''سچ کا کچھ لگتا'' اور مارنے پیٹنے لگ جاتے ہیں۔ دوسرے فریق کو جب پتہ لگتا کہ مغلا کو محض اس کے سچ بولنے پر مارا جا رہا ہے تو وہ اور زیادہ اِصرار کرنے لگ جاتا کہ اگر مغلا کہے گا تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے۔ اس پر وہ پھر میری طرف آتے ہیں اور مجھے مارنے پیٹنے لگ جاتے ہیں اور جب مار پیٹ کر الگ ہوتے ہیں اور

پوچھتے ہیں '' دس مغلیا اساں ایہہ چیز چُرائی ہے'' تو میں پھر سچ بولتا اور کہتا ہوں ۔ لی تو ہے ۔اس پر وہ پھر مارنے لگ جاتے ہیں ۔ باپ الگ ناراض ہوتا ہے کہ کوئی ایسا بھی احمق ہوتا ہے جو اپنے بھائیوں کو نقصان پہنچائے پس کہنے لگا میرا تو یہی حال ہوتا ہے ۔جس دن میرے بھائی گھر میں کوئی مال چُرا کر لاتے ہیں میں کہتا ہوں اب میری ہڈیوں کی خیر نہیں ۔ پھر وہ کہنے لگا کبھی میں پیچھا چُھڑانے کے لئے یہ بھی کہہ دیا کرتا ہوں کہ میں تو تمہارے نزدیک کافر ہوں میری گواہی کا کیا اثر ہوسکتا ہے ۔اس پر وہ کہتے ہیں تُو ہے تو کافر مگر بولتا سچ ہے ۔

غرض احمدی مرتد بھی کہلاتے ہیں ، بے دین بھی کہلاتے ہیں ، یہ بھی سنتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں ۔تم رسول اللہ ﷺ کی ہتک کرنے والے ہو مگر پھر بھی لوگ ان کے متعلق یہ کہنے سے نہیں رہ سکتے کہ احمدی سچ بولتے ہیں ۔ یہ زندہ مثال اِس بات کی ہے کہ مؤمن قُدُّوس ہوتا ہے دنیا ایک سانس میں اسے بُرا کہتی ہے اور دوسرے سانس میں اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہوتی ہے لوگ ایک طرف سارے عیوب اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر دیانتدار کوئی نہیں اور نہیں سوچتے کہ کیا ساری دیانت کُفر میں رہ گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک قُدُّوس نہ بنو۔ دشمن سے بھی اگر پوچھا جائے تو وہ کہے کہ ہے تو یہ کافر اور پلید مگر اس کی بات پر میں اعتبار کرتا ہوں ۔تھوڑے ہی دن کی بات ہے ایک غیر احمدی یہاں آیا اس کا مقدمہ کسی احمدی مجسٹریٹ کے پاس تھا لوگوں نے اسے کہا کہ قادیان سے جاکر سفارش کراؤ تا مقدمہ کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو۔ جب وہ یہاں آیا تو کسی نے اسے بتایا کہ سفارش کے کیا معنی ہیں ۔مجسٹریٹ سرکار سے اسی بات کی تنخواہ لیتے ہیں کہ انصاف کریں پھر احمدی جو ہوتا ہے، اس کا خصوصیت سے یہ فرض ہوتا ہے کہ انصاف کو کسی لمحہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے، پھر سفارش کی کیا ضرورت ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اس مجسٹریٹ کو یہاں سے بد دیانتی کرنے کی تعلیم دی جائے گی؟ چونکہ اس کا پہلے بھی احمدیوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اس لئے یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی اور جب وہ میرے پاس آیا تو کہنے لگا میں آیا تو کسی اور مقصد کے لئے تھا مگر لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بات پیش کرنی مناسب نہیں اس لئے اب میں وہ بات تو پیش نہیں کرتا صرف درخواست کرتا ہوں کہ دعا کریں اگر احمدیت سچی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس میں داخل ہونے کی توفیق عنایت فرمائے ۔ پھر اُس نے خود ہی ذکر کیا کہ میرا

ایک مقدمہ ایک احمدی مجسٹریٹ کے پاس ہے مجھے رشتہ داروں نے کہا تھا کہ قادیان میں جا کر سفارش کراؤ۔ میں نے انہیں کہا بھی کہ یہ فضول بات ہے اگر وہ مجسٹریٹ احمدی ہے تو خود ہی انصاف کرے گا کسی سفارش کی کیا ضرورت ہے مگر وہ نہ مانے اور میں یہاں چلا آیا۔ یہاں آ کر بھی لوگوں نے یہی بتایا کہ وہ احمدی ہی کیسا ہے جو انصاف نہیں کرے گا ان باتوں سے اب میری تسلّی ہوگئی ہے اور میں نے سفارش کرانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

مقدمہ میں پھنسے ہوئے لوگوں کی عقل کس قدر پراگندہ ہو جاتی ہے مگر ایسے مجبور آدمی کا بھی یہ سمجھ جانا کہ احمدی جج انصاف کرے گا بتاتا ہے کہ اسے یہ محسوس ہؤا کہ اس جماعت میں قدوسیت ہے ورنہ اگر اسے احمدیوں سے ذاتی واقفیت نہ ہوتی تو وہ ضرور اصرار کرتا کہ میری سفارش کرو لیکن چونکہ وہ احمدیوں کے حالات سے واقف تھا اس لئے باوجود اس کے کہ وہ دور سے چل کر آیا تھا کہنے لگا کہ اب میری تسلی ہوگئی۔تو احمدیت کے ساتھ قدوسیت یا ایمان کے ساتھ قدوسیت ایک لازمی چیز ہے۔ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں انسان کتنی ہی اپنے آپ میں کمزوریاں دیکھے، دنیا کے مقابلہ میں قُدُّوْس ہو گا۔صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نسبت سے قُدُّوْس ہے اور مؤمن نسبتی طور پر قُدُّوْس ہوتا ہے۔ جب مؤمن کی خدا تعالیٰ کی طرف نگاہ اٹھتی ہے تو وہ اپنے آپ کو کمزوریوں سے پُر پاتا ہے مگر جب بندوں کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو قُدُّوْس سمجھتا ہے۔اسی طرح خدا تعالیٰ عَزِیْز ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے بندے عَزِیْز بنیں ان کے اندر بھی استقلال ہو ان کے اندر بھی غیر معمولی مضبوطی اور پختگی ہو اور گو میں ہمیشہ شکایت کرتا ہوں کہ ہماری جماعت میں استقلال نہیں مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ جو ہماری جماعت میں مؤمن ہیں وہ استقلال کا بہترین نمونہ ہیں۔دنیاوی انجمنیں قائم ہوتی ہیں تو کوئی ایک مہینہ تک کام کرتی ہے کوئی دو مہینہ تک اور کوئی زیادہ کام کرے تو سال دو سال تک کام کرتی رہے گی مگر آخر تھک کر رہ جائے گی۔ پھر ان انجمنوں میں آج ایک کام کرتا ہے تو کل دوسرا اور اگر بیس تیس سال بھی کوئی انجمن قائم رہی تو اس کے کارکن ہمیشہ بدلتے رہے مگر بجز جماعت احمدیہ ایسی جماعت ہندوستان میں اَور کونسی نظر آ سکتی ہے جو پچاس سال سے متواتر قربانیاں کرتی چلی آ رہی ہو۔ اگر کسی کو احمدیت میں داخل ہوئے پچاس سال ہوئے ہیں تو وہ پچاس سال سے قربانیاں کر رہا ہے، اگر کسی کو احمدیت میں داخل ہوئے چالیس سال ہوئے ہیں تو وہ چالیس سال سے قربانیاں کر رہا ہے،

اگر کسی کو احمدیت میں داخل ہوئے تیس سال ہوئے ہیں تو وہ تیس سال سے قربانیاں کر رہا ہے اور اگر کسی کو احمدیت میں داخل ہوئے بیس سال ہوئے ہیں تو وہ بیس سال سے قربانیاں کر رہا ہے پھر اگر باپ نے سلسلہ کے لئے قربانی کی تھی تو اس کے بعد بیٹے نے قربانی شروع کر دی اور بیٹے کے بعد اس کے پوتے نے قربانی شروع کر دی۔ غرض عزیزیت کے نمونے بھی ہماری جماعت میں ملتے ہیں اور جو ابھی تک اس قسم کا نمونہ نہیں بنے انہیں چاہئے کہ نمونہ بننے کی کوشش کریں۔ جو ملک نہیں وہ ملک بننے کی کوشش کریں جو قدوس نہیں وہ قدوس بننے کی کوشش کریں۔ جو عَزِیْز نہیں وہ عَزِیْز بننے کی کوشش کریں۔ اور جو حَکِیْم نہیں وہ حَکِیْم بننے کی کوشش کریں۔ حَکِیْم ہمیشہ حکمت کے ماتحت کام کیا کرتا ہے اور میں سمجھتا ہوں جتنا ہماری جماعت حکمت کے ماتحت ہر کام کرنے کی عادی ہے خود یورپ بھی اتنا حکمت کے ماتحت کام کرنے کا عادی نہیں حالانکہ وہ تعلیم میں بہت آگے ہے۔ مثلاً جتنا ہمیں اشتعال دلایا جاتا اور مخالفوں کی طرف سے گالیاں دی جاتی ہیں کیا دنیا کی کوئی اور قوم ہے جو اس قسم کی اشتعال انگیزی کو برداشت کر سکے۔ صرف ہماری جماعت دنیا میں ایسی ہے جو صبر کا بہترین نمونہ پیش کر رہی ہے اور یہ اسی لئے کہ ہماری جماعت حکمت کو سمجھتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اگر گالیوں کے مقابلہ پر میں نے بھی گالیاں دے لیں تو ان سے اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا چُپ رہنے سے اور مار کھا کر خاموش رہنے سے ہوگا۔ اسی طرح ہماری جماعت اپنے اصل مقصود کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے لوگوں کے قلوب میں جو تبدیلی پیدا کرنا چاہتی ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے کرتی چلی جاتی ہے تو اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ یہ چاروں صفات مؤمن کے اندر پائی جانی چاہئیں۔ جو شخص اپنے آپ کو مَلِکْ نہیں بناتا۔ جو شخص اپنے آپ کو قُدُّوْس نہیں بناتا۔ جو شخص اپنے آپ کو عَزِیْز نہیں بناتا۔ اور جو شخص اپنے آپ کو حَکِیْم خیال نہیں کرتا، اسے سمجھنا چاہئے کہ اس کے ایمان میں کمزوری ہے۔ ایک حافظ محمد صاحب پشاوری ہماری جماعت میں ہؤا کرتے تھے، اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سَابِقُوْن میں سے تھے، کئی سال انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان رہنے کا موقع ملا، ان کی طبیعت میں بہت جوش تھا، اگر کسی کی ذرا سی غلطی بھی دیکھ لیتے تو جھٹ کہہ دیتے وہ منافق ہے۔ شیعوں کی طرح ان کا یہ خیال تھا کہ ہماری جماعت میں صرف اڑھائی مؤمن ہیں۔ ایک وہ، ایک حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل اور آدھے مولوی

عبدالکریم صاحب۔ احمدیہ چوک میں سے ایک گندہ نالہ گزرا کرتا تھا اوراس پر ایک پھٹہ پڑا رہتا تھا اب تو وہاں سڑک بن گئی اور نواب صاحب کے مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں بیٹھ جانا اور ہاتھ اُٹھا کر بڑے زور زور سے یہ دعائیں کرنا کہ خدایا! اپنے مسیح کو منافقوں سے بچا اس جماعت میں تو ہم صرف اڑھائی مؤمن رہ گئے ہیں۔ ایک دفعہ وہ پشاور جا رہے تھے ساتھ اور بھی احمدی تھے کسی نے رستہ میں کوئی بات جو کہی تو انہوں نے کہا کہ یہ بات یوں ہے۔ وہ کہنے لگا اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ یہ بات یوں ہے حافظ محمد صاحب کہنے لگے اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں کہتا ہوں اور میں مؤمن ہوں۔ وہ کہنے لگا یہ آپ نے بڑا بھاری دعوٰی کر دیا آپ کے اندر تکبر معلوم ہوتا ہے توبہ کیجئے۔ وہ پوچھنے لگے کہ کیا آپ مؤمن نہیں؟ وہ کہنے لگا میں بھلا مؤمن کہاں ہوں میں تو گناہگار بندہ ہوں۔ یہ کہنے لگے اچھا اگر آپ مؤمن نہیں بلکہ گنہگار ہیں تو میں آپ کے پیچھے آئندہ نماز نہیں پڑھوں گا۔ ایک اور مولوی صاحب بھی ان میں موجود تھے ان سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے میں بھی اپنے آپ کو مؤمن کہنے سے ڈرتا ہوں۔ یہ کہنے لگے اچھا جناب۔ اب آپ کے پیچھے بھی آئندہ سے نماز بند۔ کچھ عرصہ کے بعد جب دوبارہ یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے شکایت کی کہ حافظ صاحب الگ نماز پڑھتے ہیں اوراس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے جب پوچھا کہ کیا تم مؤمن ہو تو ہم نے کہا کہ ہم تو گنہگار بندے ہیں اس پر حافظ صاحب نے ہمارے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ واقعہ سن کر فرمایا حافظ صاحب سچ کہتے ہیں جب کوئی اقراری مُجرم ہو جائے تو اُس کے پیچھے نماز کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا جسے خدا تعالیٰ ایک مأمور کی شناخت کی توفیق دیتا ہے اور وہ پھر بھی کہتا ہے کہ میں مؤمن نہیں تو وہ آپ مُجرم بنتا ہے اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی عدالت میں جا کر کہہ دے کہ میں چور ہوں یا ڈاکو ہوں پس جو شخص اپنے آپ کو چور اور ڈاکو کہتا ہے جس طرح وہ مُجرم ہے اسی طرح چونکہ مؤمن اور متقی ہونا ایک ہی چیز ہے اس لئے جو شخص کہتا ہے کہ میں متقی نہیں اس کے پیچھے نماز کیوں پڑھی جائے۔ پس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جو جماعتیں ہوں ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مؤمن ہوں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ **مَلِک** ہوں، ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ **قُدُّوس** ہوں، ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ **عَزِیز** ہوں اور ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ **حَکِیم** ہوں پس اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی جماعت

سے یہ چاہتا ہے کہ اس میں مَلِکیت پائی جائے، اس کے اندر قدوسیت پائی جائے اس کے اندر عزیزیت پائی جائے اور اس کے اندر حکیمیت پائی جائے پس اس آیت نے تمہیں یہ سبق دیا ہے کہ تم کبھی اپنے آپ کو کمزور نہ سمجھو۔ بے شک خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے ہم کہیں گے کہ ہم بے کس ہیں ہمارے اندر کوئی طاقت نہیں مگر دنیا کے مقابلہ میں ہم مَـلِک ہوں گے۔ بے شک خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے ہم کہیں گے کہ ہم گنہگار ہیں ہمارے اندر کئی قِسم کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں مگر دنیا کے مقابلہ میں ہم قُدُّوْس ہوں گے، بے شک خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے ہم کہیں گے کہ ہمارے اندر استقلال کہاں مگر دنیا کے مقابلہ میں ہم عَـزِیْز ہوں گے۔ اسی طرح بے شک خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے ہم کہیں گے کہ ہم بیوقوف ہیں مگر دنیا کے مقابلہ میں ہم حَکِیْم ہوں گے مگر یہ ایسی ہی بات ہے جیسے سورج کے مقابل میں دِیا کہے کہ میں تاریک ہوں لیکن کیا دِیا اندھیرے میں بھی کہا کرتا ہے کہ میں روشن نہیں۔ یوں تو روشن سے روشن لیمپ بھی اگر سورج کے سامنے رکھ دو تو اُس کی روشنی غائب ہو جائیگی لیکن اگر اندھیرے میں اسے لاؤ تب تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کے اندر کتنی بڑی چمک پائی جاتی ہے اسی طرح اگر دین کے مخالفوں کے مقابلہ میں بھی جو روحانی لحاظ سے تاریک ہیں کوئی شخص کہتا ہے کہ میں روشن نہیں تو وہ واقع میں روشن نہیں۔ اور جو شخص غیر قوموں کے مقابلہ میں بھی اپنے اندر مَلِکیت نہیں پاتا، جو شخص غیر قوموں کے مقابلہ میں اپنے اندر قدوسیت نہیں پاتا، جو شخص غیر قوموں کے مقابلہ میں بھی اپنے اندر عزیزیت نہیں پاتا اور جو شخص غیر قوموں کے مقابلہ میں بھی اپنے اندر حکیمیت نہیں پاتا وہ ایک بُجھا ہوا دیا اور گُل کی ہوئی لالٹین ہے۔ تاریکی کے مقابلہ میں تو جگنو بھی چمکتا ہے کُجا یہ کہ ایک لالٹین ہو اور وہ روشن نہ ہو۔ جگنو کیوں دن کو نظر نہیں آتے اور رات کو نظر آتے ہیں۔ اسی لئے کہ دن کو سورج مقابل پر ہوتا ہے اور رات کو تاریکی مقابل پر ہوتی ہے۔ بچپن میں ہم ایک کھیل کھیلا کرتے تھے مصری کی ڈلیاں لیتے اور رات کو لحاف اوڑھ کر انہیں توڑتے تو اس میں سے روشنی نظر آتی۔ بعض بچے جو ناواقف ہوتے ڈر جاتے اور سمجھتے کہ جِنّ آ گیا ہے مگر دن کو مصری توڑو تو اس میں سے کبھی روشنی نظر نہیں آ سکتی۔ پس بے شک ہم اپنے آپ کو ادنیٰ سمجھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں جو چمکتے ہوئے سورج کی سی حیثیت رکھتا ہے، اس کی مَلِکیت کے مقابلہ میں ہم جب اپنی مَلِکیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اپنی بے بسی نظر آتی ہے ، اس کی قدوسیت کے مقابلہ میں جب ہم اپنی قدوسیت کو دیکھتے ہیں تو کہہ اُٹھتے ہیں ہم اس کے فضل

کے بغیر کب پاک ہو سکتے ہیں، اسی طرح جب ہم اس کے عَزِیْز ہونے کو دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اگر خدا ہمیں سہارا نہ دے تو ہم کچھ بھی نہیں، پھر جب ہم خدا تعالیٰ کی حکمت کو دنیا کے ذرّہ ذرّہ میں دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں ہماری حکمت اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے ہم تو نادان ہیں مگر جب ہم رات کی تاریکی میں آتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ ہم نہ صرف خود رَوشن ہیں بلکہ اپنے اِردگرد کو بھی روشن کررہے ہیں اور جو اس وقت ہماری روشنی کا انکار کرتا ہے ہم اسے نابینا اور اندھا کہتے ہیں۔ جیسے سورج کے مقابل پر اگر کوئی شخص جگنو کی چمک نہ دیکھے تو یہ اس کی نابینائی کا ثبوت نہیں ہوتا ہاں اگر رات کو اسے جگنو چمکتے نظر نہ آئیں یا رات کو لیمپ جلتے دکھائی نہ دیں تو اسے نابینا کہا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں میاں! اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔ یہی حال مؤمن کا ہوتا ہے جب وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کسی اور کی روشنی اسے نظر نہیں آتی مگر خدا جب اسے تاریکی میں کھڑا کرتا ہے تو اسے اپنی روشنی بھی نظر آنے لگتی ہے اور دوسروں کی بھی۔

یہ وہ ایمان ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اندر پیدا کرے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص باوجود اس کے کہ وہ دنیا کی نگاہوں میں ذلیل اور حقیر ہو یہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ مَلِک ہے یا یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ قُدُّوْس ہے تو یقیناً اس کے ایمان میں نقص ہے۔ اسی طرح اگر وہ دوسری دنیا کے مقابلہ میں اپنے آپ کو عزیزیت کے مقام پر فائز نہیں سمجھتا اور نمایاں طور پر اپنے ہر کام میں حکمت اختیار نہیں کرتا تو یہ بھی اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اس کے ایمان میں نقص ہے اور اگر اس کے مَلِک ہونے کے باوجود قُدُّوْس ہونے کے باوجود عَزِیْز اور حَکِیْم ہونے کے باوجود دنیا اسے نہیں دیکھتی تو یہ دنیا کی نابینائی کا ثبوت ہوگا۔ مگر یہ نابینائی اُسی وقت کہی جاسکتی ہے جب دنیا کو کوئی ایک مؤمن بھی مَلِکیت، قدوسیت، عزیزیت اور حکیمیت کا مظہر نظر نہ آئے۔ اگر زید اور بکر میں سے وہ زید کو ان صفات کا مظہر سمجھتی ہے اور بکر کو نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بکر میں نقص ہے نہ یہ کہ اس کی بینائی میں قصور ہے۔ جیسے اگر کسی شخص کو اَور لالٹینیں تو روشن نظر آئیں مگر ایک نظر نہ آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اس کی آنکھیں اسے نہیں دیکھتیں بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ وہ لالٹین اندھیری ہے۔

پس یہ وہ مقام ہے جس کی مؤمن سے امید کی جاتی ہے اب تم میں سے ہر شخص اپنے دل میں

سوچے اور غور کرے کہ کیا وہ مَلِک ہے، کیا وہ قُدُّوس ہے، کیا وہ عَزِیْز ہے اور کیا وہ حَکِیْم ہے؟ جو شخص مَلِک ہو وہ دنیا میں کبھی ڈرا نہیں کرتا اور جو قُدُّوس یعنی نیکی کا مجسمہ ہو لوگ اس پر حقیقی اعتراض نہیں کر سکتے۔ جھوٹے اعتراض بے شک کریں گے مگر وہ قُدُّوس شخص کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ جتنا زیادہ لوگ قُدُّوس مؤمن پر اعتراض کریں اتنی ہی زیادہ ان کی روسیاہی ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شخص عَزِیْز ہو اور استقلال سے کام کرنے والا ہو یا حَکِیْم ہو اور اپنے کام میں دانائی کو مدِّ نظر رکھتا ہو اس پر اعتراض کر کے کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ جب کوئی نیا احمدی ہو تو لوگ اسے کہا کرتے ہیں بیوقوفی سے اس نے حضرت مرزا صاحب کو مان لیا مگر کیا وہ دیکھتے نہیں کہ کاموں میں اس احمدی کی بیوقوفی ظاہر ہوتی ہے یا ان کی؟ لوگ اسے اشتعال دلاتے ہیں دل آزار کلمات اس کے لئے استعمال کرتے ہیں مگر یہ خاموش رہتا اور اپنے جوشوں کو دبا کر انہیں تبلیغ کرتا رہتا ہے۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ حَکِیْم ہے اور جانتا ہے کہ کن موقعوں پر جوشوں کو دبانا چاہئے اور کس موقع پر اپنی غیرت کا اظہار کرنا چاہئے۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے یہاں تسبیح سے مراد کیا ہے اور اگر وہ چیزیں تسبیح کرتی ہیں تو کہاں کرتی ہیں؟ ہمارے سامنے اس وقت مینار کھڑا ہے یہ کب تسبیح کر رہا ہے، مکان کی دیواریں ہیں یہ کہاں تسبیح کر رہی ہیں، فرش اور چھت ہے یہ کہاں تسبیح کر رہا ہے، ہم نے لباس پہنا ہوا ہے یہ کہاں سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ کر رہا ہے۔ ہمیں تو ان چیزوں کی تسبیح سنائی نہیں دیتی مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے اب اگر واقع میں تسبیح ہو رہی ہے تو کیا ہم بہرے ہیں کہ وہ تسبیح ہمیں سنائی نہیں دیتی یا وہ تسبیح ہی نہیں کرتیں؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں کئی دفعہ تسبیح ہوتی ہے مگر سُنی نہیں جاتی۔ مثال کے طور پر گراموفون کا ریکارڈ لے لو اس کا ریکارڈ آیا بولتا ہے یا نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا ریکارڈ بولتا ہے مگر جب تک سُوئی نہیں رکھی جاتی اس سے آواز پیدا نہیں ہوتی۔ یا کیا ایک اَن پڑھ کے لئے دنیا میں کتاب بولا کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ [۴] یہ ہزاروں الفاظ نظر آتے ہیں اور جب ہم

پڑھتے ہیں تو قرآن مجید ہمارے لئے بول رہا ہوتا ہے۔لیکن ایک اَن پڑھ کے سامنے قرآن مجید رکھ دوتو وہ یہی کہے گا کہ کاغذوں پر سیاہی گری ہوئی ہے۔پس اَن پڑھ کے لئے قرآن کے الفاظ کاغذ پر گری ہوئی سیاہی کی سی حیثیت رکھتے ہیں لیکن جب ایک پڑھا لکھا شخص دیکھتا ہے تو اسے عبارتوں کی عبارتیں نظر آنے لگتی ہیں۔اسی طرح اگر ایک انجینئر کے سامنے انجینئرنگ کی کوئی کتاب رکھ دوتو وہ کتاب اس کے لئے بولتی ہوئی نظر آئے گی۔کہیں وہ کتاب اسے یہ بتلائے گی کہ چھتوں کے لئے گارڈر کتنے مضبوط ہونے چاہییں۔کتنے اور کیسے گارڈر چھت کا بوجھ برداشت کر سکتے ہیں،کہیں وہ کتاب اسے یہ بتائے گی کہ محراب کس صورت میں بوجھ زیادہ اُٹھا سکتا ہے،کہیں وہ کتاب اسے یہ بتائے گی کہ عمارت کے لئے کتنی بنیاد کھودنی چاہئے اور کتنی گہری بنیادوں پر کتنی بلند عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔غرض وہ کتاب اس کے سامنے بول رہی ہوگی لیکن ایک نادان کے سامنے رکھ دوتو وہ کہے گا کچھ لکیریں سی کھچی ہوئی ہیں۔

پس ایک صاحبِ علم کے لئے جو کتاب بولتی ہے جاہل کے سامنے وہ خاموش ہوتی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی پاکیزہ کتاب بھی ایک جاہل کے لئے گری ہوئی سیاہی کی حیثیت رکھتی ہے مگر ایک عالم کے لئے کیسی بولنے والی ہے بلکہ اس قرآن سے زیادہ بولنے والی چیز دنیا میں اور کوئی ہے ہی نہیں۔ تیرہ سو سال سے برابر آج تک بولتا ہی چلا جاتا ہے اور نئے سے نئے باتیں غور کرنے والوں پر کھولتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین وآسمان کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے تو ہمارا یہ سمجھ لینا کہ تسبیح کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے قانون میں کوئی عیب نہیں ظلم ہے۔ یقیناً زمین وآسمان کا ذرّہ ذرّہ کسی رنگ میں بولتا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ خواب اور رؤیا میں جو یقظہ سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔بعض دفعہ دیواریں بولتی دکھائی دیتی ہیں،بعض دفعہ جانور مثلاً کُتّے اور بلیاں بولتی دکھائی دیتی ہیں اور خوابوں میں یہ جانور بہت معقول باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دفعہ اسی رنگ میں الہام ہوا کہ ’’خاکسار پیپرمنٹ‘‘[۵]

دشمنانِ سلسلہ ہمیشہ اس الہام پر ہنسی اُڑاتے رہتے ہیں حالانکہ اگر بہرہ اس بات پر ہنسی اُڑائے کہ لوگ باتیں کرتے ہیں یا اندھا اس بات پر ہنسے کہ لوگ چمکنے والے سورج کا ذکر کرتے ہیں تو یہ

بیہودہ بات ہوگی۔ ’’خاکسار پیپر منٹ‘‘ کی آواز سننے کا جو اہل تھا اس نے اس آواز کو سن لیا اور جن کے اس آواز کو سننے اور سمجھنے کے کان نہیں ہیں وہ اس آواز کو کیسے سن سکتے ہیں۔ جس طرح ایک اَن پڑھ کے سامنے اگر انجینئرنگ کی کتاب رکھ دی جائے تو وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہے گا کہ لکیریں کھچی ہوئی ہیں۔ بلکہ اب تو لوگ تعلیمی زمانہ میں ہونے کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب ہے اور اس میں کچھ لکھا ہؤا ہے اگر ایک ایسا اَن پڑھ آدمی ہو جسے پتہ ہی نہ ہو کہ کتاب کیا ہوتی ہے اگر اس کے سامنے کتاب کھول کر رکھ دو تو وہ کیا کہے گا، یہی کہے گا کہ سیاہی گری ہوئی ہے۔ مشہور ہے کہ ایک انگریز نے افریقہ کے قبائل پر اسی بناء پر قبضہ کیا کہ ایک دفعہ اس نے ایک لکڑی پر کوئلہ سے کچھ لکھ کر ایک حبشی کو بلایا اور اسے کہا کہ یہ لکڑی وہ اس کے گھر لے جائے اور اس کی بیوی جو چیز دے وہ لیتا آئے۔ وہ کہنے لگا میں کونسی چیز لاؤں؟ انگریز کہنے لگا کہ یہ لکڑی خود بتا دے گی کہ کس چیز کی ضرورت ہے۔ جب وہ لکڑی اس نے بیوی کو لاکر دی تو اس نے وہ پُرزہ نکال کر جو اُس نے مانگا تھا دے دیا۔ حبشیوں پر اس کا اتنا اثر ہؤا کہ وہ اس لکڑی کو پوجنے لگ گئے۔ تو ناواقف اور اَن پڑھ آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کتاب وغیرہ میں کیا لکھا ہے مگر پڑھے ہوئے آدمی کے لئے وہی لکھی ہوئی چیز بولنے لگ جاتی ہے۔ اَن پڑھ ممکن ہے یہی خیال کرنے لگے کہ یہ تحریر باتیں کرتی ہے۔

پس یہ مخالف معرفت سے تو دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات پر اعتراض کرنے اور ہنسی اُڑانے لگ جاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو نہ بولتی ہو، پیپر منٹ بھی بولتا ہے اور دوسری چیزیں بھی مگر ان کی آواز سننے کے لئے وہ کان چاہئیں جن کی ضرورت ہے حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک درخت جس سے آپ ٹیک لگایا کرتے تھے جب آپ کا ممبر بنا اور آپ نے اُس درخت پر سہارا لگانا چھوڑ دیا تو وہ رو پڑا۔[۶] اگر پیپر منٹ کے کلام کرنے پر ہنسی جائز ہے تو پھر یہاں بھی ہنسی جائز ہوسکتی ہے لیکن اگر وہاں یہ کہا جائے کہ وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو کہتا ہے کہ درخت نہیں رویا، البتہ اس رونے کی آواز سننے کے لئے کان چاہئیں۔ یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی آواز محمد ﷺ، حضرت ابوبکر اور اسی مذاق کے دوسرے لوگ سن سکتے تھے تو یہاں بھی جو اُس آواز کے سننے کا اہل تھا اُس نے سن لیا مگر جو ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں وہ تو ان باتوں پر ہنسی ہی اُڑائیں گے۔ جیسے مثلاً گراموفون کسی ناواقف کو دو اور اس سے دریافت کرو کہ

کیا یہ بول سکتا ہے؟ وہ کبھی اس کے بولنے کو تسلیم نہیں کرے گا بلکہ انکار کرے گا۔اسی طرح اگر کوئی پٹھان جو صرف پشتو بولتا ہو آئے اور ایسے لوگوں کو جو پشتو کا ایک حرف بھی نہیں سمجھتے گھنٹہ بھر تقریر کرے اور اپنے درد بھرے واقعات لوگوں کو سنائے تو کیا کوئی ہوگا جو اس کی بات کو سمجھ سکے۔لوگوں سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہیں گے کہ کچھ غبر غبر کررہا تھا۔اسی طرح اگر چینی آجائے اور وہ اپنی زبان میں تقریر کرے تو لوگ سن کر کیا سمجھیں گے؟ کچھ بھی نہیں، یہی خیال کریں گے کہ چیں چیں کر رہا ہے۔یا مثلاً فرض کرو ایران کی ایک عورت فارسی زبان سے ناواقف ہندوستانیوں میں آتی ہے اور اپنی درد بھری کہانیاں لوگوں کو سناتی اور اپنے مصائب کا قصہ ان کے سامنے دُہراتی ہے۔وہ بیان کرتی ہے کہ کس طرح اس کا خاوند فوت ہو گیا، پھر اس کے رشتہ داروں نے اس کے ساتھ غداری کی اور اس کی جائداد وغیرہ سب چھین لی اور اسے گھر سے باہر نکال دیا، وہ در بدر ٹھوکریں کھاتی رہی، جنگلوں کی خاک اس نے چھانی، پاؤں میں اس کے چھالے پڑ گئے، آگے آئی تو ڈاکوؤں نے اسے پکڑ لیا اور اسے زَدوکُوب کیا۔فرض کرو یہ تمام قصہ وہ سناتی ہے اور اپنی ساری قوتِ بیان وہ صرف کر دیتی ہے لیکن اگر پنجاب کے کسی گاؤں میں وہ یہ باتیں بیان کرے تو عورتیں اور بچے اس کی تقریر سن کر کیا سمجھیں گے وہ ایک حرف بھی اُس کی داستانِ غم کا نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ اس آواز کو نہیں سمجھ سکتے۔وہ یہی کہیں گے کہ یونہی ہست بود کر رہی ہے یا مثلاً اُسی وقت ایک چڑیا چہچہائی ہے ہم نہیں جانتے ان کی کوئی زبان ہوتی ہے یا نہیں لیکن اگر ہوتی ہے تو ممکن ہے اس چڑیا نے یہی کہا ہو کہ میرے پیارے بچے! میرے پاس آجا لیکن چونکہ ہم اس کی زبان سے ناآشنا ہیں اس لئے ہم اس آواز کو بے معنی سمجھتے ہیں۔

غرض دنیا میں جب کوئی شخص کسی چیز کو نہیں سمجھتا تو وہ خیال کرتا ہے کہ وہ بے معنی اور ناکارہ ہے مگر سمجھنے والا اس آواز کو سمجھتا اور اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کھانا کھایا کرتے تو بمشکل ایک پُھلکا آپ کھاتے اور جب آپ اُٹھتے تو روٹی کے ٹکڑوں کا بہت سا چُورہ آپ کے سامنے سے نکلتا۔آپ کی عادت تھی کہ روٹی توڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے جاتے پھر کوئی ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے اور باقی ٹکڑے دستر خوان پر رکھے رہتے۔معلوم نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کیوں کیا کرتے تھے مگر کئی دوست کہا کرتے کہ حضرت صاحب یہ تلاش کرتے ہیں کہ ان روٹی کے ٹکڑوں میں سے کون سا تسبیح کرنے والا ہے اور کون سا

نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قسم کی بات سُنی مجھے اِس وقت یاد نہیں مگر یہ یاد ہے کہ لوگ یہی کہا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ زمین و آسمان میں سے تسبیحوں کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں اب کیوں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز تسبیح کر رہی ہے جبکہ ہم اس تسبیح کی آواز کو سن ہی نہیں سکتے اور جس چیز کو ہم سن نہیں سکتے اس کے بتانے کی ہمیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیا قرآن میں کہیں یہ لکھا ہے کہ جنت میں فلاں مثلاً عبدالرشید نامی ایک شخص دس ہزار سال سے بیٹھا ہوا ہے ہمارے لئے چونکہ اس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی باتیں نہیں بتائیں، پھر جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ زمین و آسمان کی ہر چیز تسبیح کر رہی ہے تو اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اے لوگو! تم اس تسبیح کو سنو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ چاند نکل آیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں یا جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص گا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چلو اور اس کا راگ سنو، اسی طرح جب خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ زمین و آسمان کی ہر چیز تسبیح کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس تسبیح کو سنو پس معلوم ہوا کہ یہ تسبیح ایسی ہے جسے ہم سن بھی سکتے ہیں۔ ایک تو سننا ادنیٰ درجہ کا ہے اور ایک اعلیٰ درجہ کا مگر اعلیٰ درجہ کا سننا انہی لوگوں کو میسّر آ سکتا ہے جن کے ویسے ہی کان اور آنکھیں ہوں اسی لئے مؤمن کو یہ کہا جاتا ہے کہ جب وہ کھانا شروع کرے تو بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہے کھانا ختم کرے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے، کپڑا پہنے یا کوئی اور نظارہ دیکھے تو اسی کے مطابق تسبیح کرے۔ گویا مؤمن کا تسبیح کرنا کیا ہے؟ وہ ان چیزوں کی تسبیح کی تصدیق کرنا ہے۔ وہ کپڑے کی تسبیح اور کھانے کی تسبیح اور دوسری چیزوں کی تسبیح کی تصدیق کرتا ہے مگر کتنے ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں وہ رات دن کھاتے اور پیتے ہیں، پہاڑوں پر سے گزرتے ہیں، دریاؤں کو دیکھتے ہیں، سبزہ زاروں کا مشاہدہ کرتے ہیں، درختوں اور کھیتوں کو لہلہاتے ہوئے دیکھتے ہیں، پرندوں کو چہچہاتے ہوئے سنتے ہیں مگر ان کے دلوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ کیا ان کے دلوں میں بھی ان چیزوں کے مقابلہ میں تسبیح پیدا ہوتی ہے اگر نہیں پیدا ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان چیزوں کی تسبیح کو نہیں سنا مگر تم کہو گے کہ ہمارے کانوں میں تسبیح کی آواز نہیں آتی۔ میں اس کے لئے تمہیں بتاتا ہوں کہ کئی آوازیں کان سے نہیں بلکہ اندر سے آتی ہیں۔ مثلاً خوشی ہے کیا اس

کی آواز کو کسی نے کانوں سے سنا؟ جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے تو کیا اس موقع پر اس کے کان میں خوشی کی آواز آیا کرتی ہے یا دل میں کیفیت پیدا ہؤا کرتی ہے؟ فرض کرو ایک ایسا شخص ہو جس کی شادی پر بیس برس گزر گئے ہوں اور اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی ہو، اکیسویں سال اس کے ہاں لڑکا پیدا ہؤا ہو تو کیا اس خوشی کے موقع پر اس کے کانوں میں یہ آواز آیا کرتی ہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہؤا یہ بہت اچھی بات ہے۔ یا خوشی کی خبر سنتے ہی معاً اس کی قلبی کیفیات بدل جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کسی کا اکلوتا بیٹا مر جاتا ہے تو کیا اس وقت اُس کے کانوں میں یہ آواز آیا کرتی ہے کہ میرا اکلوتا بچہ مر گیا، یہ بڑی بُری بات ہوئی؟ یا معاً اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے اور دل میں انقباض سا پیدا ہو جاتا ہے پس خوشی اور رنج کی آوازوں کو آج تک کسی نے اپنے کانوں سے نہیں سنا بلکہ خوشی کی آواز تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے اور رنج کی آواز تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے اسی طرح وفا کے جذبات انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ہم رنج، خوشی اور وفا کے جذبات کو محسوس کرتے ہیں پھر بھی ہمارے کانوں میں ان چیزوں کی آوازیں نہیں آتیں بلکہ دل ان کی آوازوں کو محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ماں بعض دفعہ اپنے بچے کی طرف جبکہ وہ دیکھتی ہے کہ وہ کنویں میں گرنے لگا ہے بے اختیار دَوڑ پڑتی ہے حالانکہ اُس وقت بچہ اُسے بُلا نہیں رہا ہوتا اور نہ اُس کے کانوں میں بُلانے کی آواز آتی ہے مگر باوجود اس کے وہ دَوڑ پڑتی ہے کیونکہ اس آواز کو اس کا دل محسوس کرتا ہے۔ پس ساری آوازیں کانوں سے ہی نہیں سنی جاتیں بلکہ دل سے بھی سنی جاتی ہیں۔ کوئلہ جب گرم ہو تو کیا اُس وقت خود کہا کرتا ہے کہ میں گرم ہو گیا یا پاس بیٹھنے والا خود بخود محسوس کر لیتا ہے کہ اب یہ گرم ہو گیا، تم کوئلہ کے پاس بیٹھو تمہیں خود بخود یہ آواز آنی شروع ہو جائے گی کہ اب میں گرم ہو گیا۔ یہی تسبیح کے معنی ہیں۔ زمین و آسمان کے ذرّہ ذرّہ میں تسبیح پائی جاتی ہے جو لوگ اس تسبیح کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، وہ اس تسبیح کو محسوس کرتے ہیں مگر جو بے ہوش یا فالج زدہ ہیں وہ ان کی تسبیح نہیں سن سکتے۔ ایک فالج زدہ آدمی کو آگ کے پاس بٹھا دو پھر بھی وہ اس کی گرمی کو محسوس نہیں کرے گا اور نہ اسے آگ میں سے یہ آواز آئے گی کہ میں گرم ہو گئی۔ اسی طرح بے ہوش آدمی کے کان میں جا کر کہو کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہؤا تو اس کے دل میں کوئی خوشی کی کیفیت پیدا نہیں ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ زمین وآسمان کا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے تمہارا فرض ہے کہ تم اس تسبیح کو سنو اور اگر تم اپنے گھر کو دیکھتے ہو جس میں تم رہتے ہو، اس چارپائی اور بستر کو دیکھتے ہو جس پر تم سوتے ہو اور اس فرش کو دیکھتے ہو جس پر اپنی چیزیں رکھتے ہو، اس چھت کو دیکھتے ہو جس کے نیچے رہتے ہو، اس ٹرنک کو دیکھتے ہو جس میں تمہارا اسباب پڑا ہؤا ہے، اس تھالی کو دیکھتے ہو جس میں تمہارے لئے سالن پڑا ہے، اس روٹی کو دیکھتے ہو جسے تم کھا رہے ہو، اس پانی کو دیکھتے ہو جس سے تم پیاس بُجھاتے ہو مگر ان تمام چیزوں کو دیکھنے کے باوجود تمہارے دل ان چیزوں کی تسبیح کو نہیں پہچانتے اور تمہارے دل بھی ان چیزوں کو دیکھ کر سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ نہیں کہہ اُٹھتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دل کو فالج ہو چکا ہے ورنہ کیوں تمہارے دل بھی مقابل میں وہی کچھ نہ کرنے لگیں جو یہ چیزیں کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے اگر ہمارے دل اس کی چیزوں کو دیکھنے کے باوجود تسبیح نہیں کرتے تو ہم مُردہ دل ہیں۔ ایک مجلس میں بیٹھ کر دیکھ لو لوگوں کو چاند کا انتظار ہو اور ایک شخص دیکھ لے اور کہے چاند نکل آیا تو کس طرح تمام لوگ شور مچا دیتے ہیں کہ کِدھر ہے کِدھر ہے؟ اسی طرح کس طرح ممکن ہے کہ دیواریں سُبْحَانَ اللّٰہِ کر رہی ہوں مگر ہمارے دل سُبْحَانَ اللّٰہِ نہ کرتے ہوں۔ بندر والے بندر نچاتے ہیں تو تماشہ دیکھنے والے لڑکے ناچنے لگ جاتے ہیں تقریر کرنے والا تقریر کرتا ہے تو سننے والوں کے دلوں میں ولولے اُٹھنے شروع ہو جاتے ہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ ذرّہ ذرّہ تسبیح کر رہا ہو اور زمین وآسمان میں ایک شور پڑا ہؤا ہو مگر ہمارے دل میں کوئی تسبیح کا احساس نہ ہو۔ حضرت مظہر جان جاناں صاحب دلّی کے ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں ان کے غلام علی نام ایک خلیفہ تھے۔ غالباً بٹالہ کے رہنے والے تھے ایک دن مظہر جان جاناں صاحب کے پاس کوئی شخص ہدیۃً بالائی کے لڈو لایا۔ بالائی کے لڈو بہت چھوٹے ہوتے ہیں ہمارے پنجاب میں جو بوندی کے لڈو بنائے جاتے ہیں وہ بالائی کے لڈوؤں سے چار گُنا زیادہ بڑے ہوتے ہیں انہوں نے بالائی کے دو لڈو اپنے خلیفہ اور شاگرد میاں غلام علی صاحب کو دے دیئے۔ انہوں نے اُسی وقت منہ میں ڈالے اور کھا لئے۔ ہمارے پنجاب میں تو اکثر آدھا لڈو یکدم منہ میں ڈال لیا جاتا ہے بلکہ بعض لوگ سارا لڈو ہی منہ میں ڈال لیتے ہیں اور وہ تو بالائی کے لڈو تھے اور بہت ہی چھوٹے چھوٹے۔

اُنہوں نے دونوں لڈو کھالئے تھوڑی دیر کے بعد حضرت مظہر جان جاناں صاحب نے دریافت کیا کہ میاں غلام علی! میں نے تمہیں لڈو دیئے تھے وہ کہاں گئے۔ انہوں نے کہا حضور! وہ تو میں نے کھا لئے۔ فرمانے لگے میاں! میں نے تو تمہیں دو لڈو دیئے تھے کیا دونوں کھالئے وہ کہنے لگے حضور! دو کیا اور بھی ہوتے تو منہ میں آ جاتے وہ کون سے بڑے ہوتے ہیں۔ حضرت مظہر جان جاناں صاحب نے حیرت سے شکل بنا کر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا معلوم ہوتا ہے تمہیں لڈو کھانے نہیں آتے پھر کسی دن لڈو آئیں تو مجھے یاد کرانا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر کوئی شخص ان کے لئے بالائی کے لڈو لایا ظہر کی نماز پڑھ کر آپ بیٹھے ہی تھے کہ میاں غلام علی صاحب نے ان سے عرض کیا کہ آج لڈو آئے ہیں اور حضور نے وعدہ کیا تھا کہ تم کو لڈو کھانا سکھائیں گے۔ مرزا صاحب نے ایک لڈو نکال کر رومال پر رکھ لیا اور اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈال لیا اور پھر فرمایا۔ میاں غلام علی! یہ لڈو جو پڑا ہے تم جانتے ہو اس میں ایک چیز نہیں بلکہ کئی چیزیں ہیں اس میں میٹھا ہے، اس میں گھی ہے، اس میں بالائی ہے، پھر اس کے اندر کچھ میدہ بھی ہے، خوشبو بھی آ رہی ہے پس یہ کئی چیزیں ہوئیں مگر یہ تمام چیزیں حلوائی نے تو نہیں بنائیں۔ کیا تمہیں کبھی خیال آیا ہے کہ اس کے اندر میٹھا جو پڑا ہے یہ کہاں سے آیا؟ میٹھا حلوائی نے آخر کسی اور دُکان سے خریدا ہوگا مگر اس دُکان والے نے بھی آپ نہیں بنایا اُس نے زمیندار سے لیا ہوگا مگر زمیندار نے بھی خود نہیں بنایا بلکہ اس نے ایک سال پوری محنت کی، اُس نے سردی کے موسم میں گنّوں کو بونے کی تیاری کی اور دوسرے موسم میں اسے کاٹا۔ بارہ مہینے یہ زمین کی گوڈائی کرتا رہا، گنّوں کو پانی دیتا رہا اور یہ ساری محنت خدا تعالیٰ نے اس سے اس لئے کرائی کہ تا مظہر جان جاناں ایک لڈو کھالے۔ زمیندار خود ہی محنت نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی بیوی بھی محنت کرتی تھی وہ بھی اس کا ہاتھ بٹاتی اس کیلئے وقت پر کھانا کھیت میں لے جاتی۔ پھر جب گنّے تیار ہو گئے تو اس کی رس نکالی گئی پھر اس سے شکر تیار کی گئی۔ وہ شکر انہوں نے بازار میں بیچی اور حلوائی نے اس سے خریدی اور یہ تمام تگ ودَو اس لئے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا مظہر جان جاناں ایک لڈو کھالے۔ اس کے بعد فرمایا زمیندار نے گنّے خود تو نہیں بنائے تھے گنّے کا بیج اس کے پاس محفوظ تھا جو سالہا سال سے ایک نسل دوسری نسل کو دیتی چلی آئی اور صرف اس لئے کہ مظہر جان جاناں ایک لڈو کھالے۔ اسی طرح ایک ایک چیز کو انہوں نے لیا اور بتایا کہ جب سے دنیا بنی ہے اُس وقت سے ایک لڈو کے بنانے کے لئے سب لوگ محنت کر رہے

تھے۔اگر زمیندار نے ہل چلایا تو اس کے لئے لوہے کا حصہ اَور لوگوں نے بنایا اور اس کے لئے انہوں نے بڑی بڑی محنتیں کیں۔پس دراصل ساری دنیا ایک لڈو کے بنانے میں لگی ہوئی تھی بلکہ بادشاہ بھی اس لڈو کے بنانے میں مدد دے رہے تھے کیونکہ اگر وہ امن قائم نہ رکھتے تو کھیت ویران ہو جاتے۔اسی طرح پولیس اور مجسٹریٹ وغیرہ بھی لڈو بنانے میں مدد دے رہے تھے کیونکہ اگر دشمن کھیتوں کو جلا دیتا تو وہ شکر کس طرح تیار ہوسکتی جس سے لڈو بننا مقدر تھا۔غرض مظہر جان جاناں صاحب اسی طرح ایک ایک چیز کا ذکر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کی طرف اپنے خلیفہ میاں غلام علی صاحب کو توجہ دلاتے رہے یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا اور وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتے ہوئے نماز پڑھانے لگ گئے۔پس مظہر جان جاناں صاحب نے اسی بات کی طرف توجہ دلائی کہ لڈو جب میرے سامنے آتا ہے تو اس کا ذرّہ ذرّہ مجھے سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتا دکھائی دیتا ہے۔ہمارے غلام علی کو کیوں یہ خیال نہ آیا کہ ایک لڈو اللہ تعالیٰ کے کتنے بڑے احسانات کا نتیجہ ہے۔تب انہیں پتہ لگا کہ لڈو کھانے کا کیا مفہوم تھا۔پس اس لحاظ سے زمین وآسمان کا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے چھوٹا بھی اور بڑا بھی،ادنیٰ بھی اور اعلیٰ بھی مگر ان چیزوں کی تسبیح کا ایک اور طریق بھی ہے وہ یہ کہ اگر بندہ تسبیح کرنے لگے تو پھر بھی زمین وآسمان میں تسبیح ہونے لگتی ہے کسی نے کہا ہے

؎ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

اب معشوق تو ہر طرف نہیں ہوتا۔محبت ہے جس کے نتیجہ میں انسان اپنے محبوب کا جلوہ ہر طرف دیکھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے جسے سچی محبت ہو اسے ہر طرف سے تسبیح کی آوازیں اُٹھتی سنائی دیتی ہیں۔وہ روٹی کھاتا ہے تو اسے تسبیح کی آواز آتی ہے پانی پیتا ہے تو تسبیح کی آواز آتی ہے اس لئے کہ وہ روٹی کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور پانی پیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔تم اگر ایک گنبد کے نیچے کھڑے ہو جاؤ اور زور زور سے آواز دو تو کیا تمہاری آواز واپس آتی ہے یا نہیں؟ تم اگر زور سے آواز دیتے ہو کہ رشید تو گنبد سے بھی آواز آتی ہے کہ رشید!اسی طرح خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جب دنیا میں میرے ایسے بندے پیدا ہو جائیں جن کے دلوں سے تسبیح کی آوازیں اُٹھ رہی ہوں تو دنیا کے ذرّہ ذرّہ سے تسبیح پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔جس طرح گنبد کے نیچے کھڑے ہو کر جب تم رشید کہتے ہو تو تمہیں آواز آتی ہے کہ

رشید۔ جب تم تُو کہتے ہو تو تمہیں بھی یہی آواز سنائی دیتی ہے کہ تُو۔ اسی طرح جب تمہارے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بیتاب ہو جائیں، جب اس کے عشق میں مدہوش ہو کر تمہاری زبانوں پر بے اختیار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی جاری ہو تو اُس وقت پہاڑ اور دریا اور زمین کا ذرّہ ذرّہ یہ کہہ اُٹھے گا کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اگر بالکل آہستہ بولو گے تو تسبیح کی آواز بھی مدہم ہوگی اور اگر بلند آواز سے بولو گے تو تسبیح کی آواز بھی زیادہ زور سے پیدا ہو گی۔ پس خدا تعالیٰ مسلمانوں کو یہ سبق دیتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں کامیاب ہو تو تم تسبیح اتنی بلند آواز سے کرو کہ زمین کے ذرّے ذرّے خدا تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگ جائیں اور وہ بھی بے اختیار پکار اُٹھیں کہ سُبْحَانَ اللّٰہ سُبْحَانَ اللّٰہ۔ پس تمہیں دنیا میں تسبیح کرنی ہوگی اور اتنی بلند آواز سے تسبیح کرنی پڑے گی کہ دریا اور پہاڑ اور میدان اور جنگل بھی تسبیح کرنے لگ جائیں یہاں تک کہ وہ مکانات بھی تسبیح کرنے لگ جائیں جن میں تم رہتے ہو اور وہ بازار بھی تسبیح کرنے لگ جائیں جن میں تم چلتے ہو۔ اگر اس قسم کا کوئی انسان بن جائے تو اسے ہر جگہ تسبیح نظر آنے لگ جاتی ہے اگر ایک فونوگراف عشقیہ اور گندے اشعار گا سکتا ہے تو کیوں زمین اور آسمان خدا تعالیٰ کی تسبیح نہیں کر سکتے۔ تم یہ تو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو کہ ایک گراموفون اشعار گا سکتا ہے، تم یہ تو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو کہ مرے ہوئے بھینسے کا چمڑا ڈھم ڈھم کر سکتا ہے، تم پیتل کی نفیریوں کے متعلق تو یہ تسلیم کر سکتے ہو کہ وہ راگ الاپ سکتی ہیں، تم فوجی میوزک کے متعلق تو یہ تسلیم کر سکتے ہو کہ وہ گاڈ سیو دی کنگ (God save the king) کہہ سکتا ہے مگر تم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ زمین و آسمان اپنے پیدا کرنے والے کی تسبیح کرتا ہے۔ اگر پیتل کی نفیریاں گیت گا سکتی ہیں، اگر چمڑے کے ڈھول ڈھم ڈھم کر سکتے ہیں، اگر فوجی میوزک مارسیلز کا گیت گا سکتا یا گاڈ سیو دی کنگ (God save the king) کہہ سکتا ہے، اگر پیانو کی تاریں چھیڑنے سے وہ کئی قسم کی سُریں نکال سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ زمیں و آسمان خدا تعالیٰ کی تسبیح نہیں کر سکتے۔ یقیناً یہ چیزیں بھی خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں ہاں فرق صرف یہ ہے کہ جس کے دل میں گند ہوتا ہے وہ گند سُن لیتا ہے۔ اور جس کے دل میں پاکیزگی ہوتی ہے وہ پاکیزہ باتیں سن لیتا ہے۔ ایک پشتو زبان والا فارسی زبان کو کیا سمجھے اور ایرانی پشتو کو کیا جانے۔ جس کے اندر گند ہی گند بھرا ہوا ہو اسے تسبیح کہاں سے سنائی دے۔ پس اصل سوال یہ نہیں کہ کوئی چیز تسبیح کرتی ہے یا

نہیں ،سوال اس بولی کے سمجھنے کا ہے۔ اگر تسبیح کی بولی کوئی شخص سمجھ لے تو اسے تسبیح کی آوازیں آنی شروع ہو جائیں گی اور اگر عشقیہ اشعار سے کوئی شخص مناسبت پیدا کرلے تو اسے وہ سنائی دینے لگتے ہیں تو یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی یا تو اس طرح جس کا حضرت مظہر جان جاناں صاحب نے ایک مثال میں ذکر کیا اور بتایا کہ زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ اس کی تسبیح کرتا ہے یا اس طرح کہ ہماری تسبیح کے مقابلہ میں زمین و آسمان گونجتا اور اس سے تسبیح کی آوازیں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ انہی معنوں کو اس سورۃ کی اگلی آیت بالکل واضح کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ [۷]
فرمایا اگر زمین و آسمان کے ذرّات کی تسبیح تمہیں سنائی نہیں دیتی اور تمہارے کان اس کے سننے سے بہرہ ہیں، اگر تم نہیں جانتے کہ دریا کس طرح اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور تمہارے کان اس کے سننے سے بہرہ ہیں، اگر تم نہیں جانتے کہ پہاڑ کس طرح اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور تمہارے کان اس کے سننے سے بہرہ ہیں، اگر تم نہیں جانتے کہ ریت کے ذرّات کس طرح اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور تمہارے کان اس کے سننے سے بہرہ ہیں، تو آؤ اس کی تسبیح کی ہم تمہیں ایک مثال سناتے ہیں۔ فرمایا ایک اُمّی قوم تھی وہ خدا تعالیٰ کی تسبیح سے بالکل ناواقف تھی دنیا کے لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی تسبیح ہونے لگے گی۔

مکہ، مدینہ اور طائف کے لوگ محض شرک کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ مشرک جو توحید کے نام تک سے ناواقف تھے توحید پر جانیں قربان کرنے والے بن جائیں گے اور کون انسان مکہ والوں اور مدینہ والوں اور طائف والوں اور یمامہ والوں کو دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ ان میں تسبیح کی آوازیں پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی مگر فرمایا هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ہم نے اپنا ایک آدمی ان میں بھیجا جو روحانیت کی سُریں نکالنی جانتا تھا، جس طرح میوزک کا ماہر پیانو کی تاروں کو بجا کر ان میں سے آوازیں پیدا کر لیتا ہے ناواقف آدمی آوازیں پیدا نہیں کر سکتا اسی طرح مکہ، مدینہ، طائف اور یمامہ والوں کی حالت تھی ان سے اگر آواز آتی تھی تو یہ کہ لات اچھا اور عزّٰی اچھا۔ تب ہم نے ان کی اس حالتِ زار کو دیکھ کر وہ رسول بھیجا جو دلوں کی سارنگیاں بجانے والا تھا اس

نے ان میں وہی چاروں صفات پیدا کر دیں جو ہم ہر مؤمن میں پیدا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ پہلے ان کے دلوں سے کوئی آواز نہ آتی تھی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس رسول کے آنے کے ساتھ ہی ان کے دلوں میں تسبیح کی آواز پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ جس طرح ایک واقف اور ماہر گویّا سارنگی کی تاروں کو بجا کر ان سے قِسم قِسم کے گیت پیدا کر لیتا ہے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا اور سارا عرب تسبیح کی آوازوں سے گونج اُٹھا پس فرمایا یہ مثال تمہارے سامنے ہے۔ کیا مکہ والوں کے دلوں سے کسی تسبیح کی آواز سننے کی توقع کی جا سکتی تھی؟ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ توحید سے عاری تھے اور بُتوں پر فریفتہ؟ مگر دیکھو تو محمد ﷺ آئے تو آپ نے کس طرح ان میں سُریں پیدا کر دیں۔ پس جس کو علم ہوتا ہے، جو واقف اور ماہر ہوتا ہے وہ زمین کے ذرّہ ذرّہ سے تسبیح کی آوازیں پیدا کر لیتا ہے۔ اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ جب دنیا سے بظاہر خدا تعالیٰ کی تسبیح مٹ جائے تو تم مت سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی تسبیح مٹ گئی ہے۔ تسبیح اس کے ذرّہ ذرّہ میں پائی جاتی ہے ہاں ضرورت ایک گویّا کی ہوتی ہے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو پیانو کی تاروں کو چھیڑے اور اس سے گاڈ سیو دی کنگ (GOD SAVE THE KING) کی آواز پیدا کرے۔ اگر چاہو تو تم بھی زمین کے ذرّہ ذرّہ سے تسبیح کہلوا سکتے ہو مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ تمہیں واقفیت ہو۔ تم روحانی گویّے بننے کی کوشش کرو اور اگر تم روحانی گویّے بن جاؤ گے تو زمین و آسمان کی بے جان چیزیں بھی سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے لگ جائیں گی۔ پس ان آیات میں ایک طرف تو یہ بتایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مَلِک ہے، قُدُّوس ہے، عَزِیْز ہے، حَکِیْم ہے اور دوسری طرف یہ بتایا کہ جس طرح ہم مَلِک ہیں اور زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ ہماری تسبیح کر رہا ہے، جس طرح ہم قُدُّوس ہیں اور دنیا کے ذرّات ہماری قدوسیت کا اقرار کر رہے ہیں، جس طرح ہم عَزِیْز ہیں اور دنیا کے ذرّات ہماری عزیزیت کا اظہار کر رہے ہیں، جس طرح ہم حَکِیْم ہیں اور دنیا کے ذرّات ہماری حکمت کا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح اگر تم بھی مَلِک بن جاؤ۔ تم بھی قُدُّوس بن جاؤ، تم بھی عَزِیْز اور حَکِیْم بن جاؤ تو تمہارے ہاتھوں بھی یہ دنیا کی چیزیں سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کرنے لگ جائیں گی۔ صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ تم اپنے آپ کو جاہل نہ سمجھو بلکہ مَلِک، قُدُّوس، عَزِیْز اور حَکِیْم سمجھو۔ غلطی تم کو یہ لگی ہوئی ہے کہ گویا تم کچھ بھی نہیں حالانکہ تم سب کچھ ہو۔ تم مَلِک بھی ہو تم قُدُّوس بھی ہو تم

عَزِیْز بھی ہو تم حَکِیْم بھی ہو۔ اور دوسری طرف تم یہ سمجھو کہ دنیا کے ہر ذرّہ میں قابلیت موجود ہے صرف اس کے تاروں کو چھیڑنے کی ضرورت ہے۔ اگر تم عقلمندی سے اس کے تاروں کو چھیڑو گے تو زمین و آسمان کے ذرّہ ذرّہ سے تسبیح کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو جائیں گی۔

(الفضل ۳ / مارچ ۱۹۳۵ء)

۱؎ الجمعة: ۲ ۲؎ اٰل عمرٰن: ۱۳۴

۳؎ مسلم کتاب الامارة باب ثبوت الجنة للشهيد

۴؎ الفاتحة: ۱ تا ۳

۵؎ تذکرہ صفحہ ۵۲۷۔ ایڈیشن چہارم

۶؎ بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام

۷؎ الجمعة: ۳